Research Journal
Tahqeeqat

جلد:4، شمارہ:4، 2025ء

eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334

ریسرچ جرنل
تحقیقات

جاں نثار اختر کی تانیثیت "خاموش آواز" کے خطوط کے تناظر میں

Jan Nisar Akhtar's Feminism
In the Context of the Letters of "Khamosh Aawaz"

Dr. Rubina Shaheen
Sialkot
rubinazaidi61@gmail.com

ڈاکٹر روبینہ شاہین
سیالکوٹ

Abstract

Jan Nisar Akhtar is a renowned progressive poet of Urdu literature. His progressive thought has also given a new maturity to his feminist vision. A study of his letters, "Khamosh Aawaz", to his wives, Safia Akhtar (his first wife) and Khadija Akhtar (his second wife), clearly reveals his vision of a new woman. He considers women to be the most beautiful element of Indian culture and does not want to harm their beauty by chaining them to unjust restrictions. He supports the new woman who raises her voice of protest against oppression and abuse and seems ready to rebel. Jan Nisar desires to create a society in which women's academic, literary, political, and economic talents get a chance to flourish. According to him, the relationship between husband and wife should be based on friendship and equality. Jan Nisar seems to be a supporter of a kind of feminism that is born from the womb of nature and flourishes under the umbrella of civilization and cultural values.

Keywords: *Jan Nisar Akhtar, "Khamosh Aawaz", Progressive Thought, Feminism, Unjust Restrictions, Friendship, Equality*

کلیدی الفاظ: جاں نثار اختر، "خاموش آواز"، ترقی پسند فکر، تانیثیت، غیر منصفانہ پابندیاں، دوستی، مساوات

جاں نثار اختر ترقی پسند شاعر ہی نہیں تھے، ترقی پسند تحریک کے سرگرمِ عمل رکن بھی تھے۔ ترقی پسند تحریک بنیادی طور پر سامراجی ظلم و تشدد، سرمایہ دارانہ نظام، جاگیر دارانہ نظام، اقتصادی غلامی اور فرسودہ سماجی و مذہبی روایات کی سخت مخالف تھی۔ وہ مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کے استحصال کے خلاف تھی اور ایک نئے سماج کی تشکیل کی جویا تھی جو لوٹ کھسوٹ کے نظام کو ختم کر سکے۔ بنیادی طور پر ترقی پسند ادیب اور شعرا کارل مارکس کے نظریات کے حامی تھے۔ جاں نثار پر بھی مارکس کی تعلیمات کے اثرات واضح تھے اور ان اثرات کا واضح عکس ان کی شاعری، نثر اور خطوط میں ملتا ہے۔ صرف یہی نہیں ان کی زندگی پر بھی اس ترقی پسند فلسفے کی گہری چھاپ ہے۔ وہ ان چند ادیبوں میں سے تھے جنھوں نے اپنے عقائد کا کبھی سودا نہیں کیا اور نہ اپنے نظریات کو مادی مفادات کی بھینٹ چڑھایا بلکہ انہوں نے ہمیشہ اپنے نظریات کی خاطر اپنے اور بیوی بچوں کے آرام و سکون کو قربان کیا۔ آزادی کے بعد کئی لوگ مادی فوائد کی خاطر انجمن سے الگ ہو گئے مگر جاں نثار جو اس وقت بھوپال کی انجمن ترقی پسند مصنفین کے صدر تھے، انہیں اپنے عقائد کی خاطر حمیدیہ کالج بھوپال کی سرکاری ملازمت کو خیر باد کہنا پڑا۔

29 جنوری 1949ء کو بھوپال میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی کل ہند کانفرنس کے موقع پر جاں نثار نے بحیثیت صدر جن تاثرات کا اظہار کیا وہ ان کی فکرِ نو کے غماز ہیں:

"ایک مخصوص لیبل کا الزام ترقی پسند مصنفین پر لگایا جاتا ہے وہ محض اس قصور پر کہ وہ

OPEN ACCESS · HEC · DRJI · ISSN International Standard Serial Number International Centre · اشاریہ اردو جرائد · EuroPub

سب ایک طرح کیوں سوچتے ہیں۔ حالانکہ ایک طرح سوچنے سے بہتر کوئی بات نہیں ہوسکتی بشرطیکہ ان کا سوچنا انسانیت کی بھلائی، سماج کی بہبودی اور دنیا کو نکھارنے اور سنوارنے کے لیے ہو۔ اور ہمیں ارتقاء کے اس راستے پر بڑھنے میں مدد دے جس پر ہر قدم انسانی تہذیب وترقی کی ایک منزل ہے۔ جس پر انسانوں کا قافلہ مسافتیں طے کرتا ہوا آگے بڑھتا جارہا ہے اور ہمیشہ بڑھتا رہے گا۔"(1)

جاں نثار کی ترقی پسند فکر نے ان کے تانیثی تصوّر کو بھی ایک نئی بالیدگی دی اور ان کے "خاموش آواز" کے خطوط کے مطالعے سے ان کا نئی عورت کا تصوّر واضح طور پر ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ وہ ہندوستانی کلچر کا حسین ترین عنصر عورت کو خیال کرتے ہیں اور اسے ناروا پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑ کر اس کے حسن کو مجروح نہیں کرنا چاہتے۔ اگرچہ ان کا تعلق ایسے قدامت پرست ماحول سے ہے جہاں عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید رکھا جاتا تھا۔ پردے کی سخت پابندی کی جاتی تھی۔ لڑکپن ختم ہوتے ہی لڑکے لڑکیوں کے اکٹھے کھیلنے پر پابندی عائد ہوجاتی تھی۔ رشتے کے بہن بھائیوں کے ملنے جلنے پر قدغن لگادی جاتی تھی۔ طبقاتی کشمکش کا یہ عالم تھا کہ امراکے بچے غربا کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں شریک نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ قدامت پرستی اور فرسودہ روایات جاں نثار کی آزاد طبعیت کے لیے بارِ گراں ثابت ہوئیں اور ان میں قدیم فرسودہ روایات کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ جس کا اظہار ان کی تحریر وتقریر دونوں میں واضح طور پر ملتا ہے۔ ان کے "خاموش آواز" کے خطوط ان کے تانیثی شعور کے غماز ہیں جو انھوں نے اپنی بیویوں صفیہ اختر (پہلی بیوی) اور خدیجہ اختر (دوسری بیوی) کے نام لکھے ہیں۔

جاں نثار عورت کو گھر کی چار دیواری میں بند رکھنے کے سخت خلاف ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی زندگی کو محدود کردینے سے اس کی فطری صلاحیتیں ختم ہوکر رہ جاتی ہیں۔ وہ عورت کے ایسے سماجی ربط وضبط کو ضروری خیال کرتے ہیں جس سے اس کی صلاحیتوں کو پنپنے کا موقع ملے اور وہ سماج میں مثبت کردار ادا کرکے سماجی ترقی میں اپنا حصّہ ڈال سکے۔ ان خیالات کا اظہار وہ خدیجہ اختر کے نام لکھے گئے 11 جنوری 1955 کے ایک خط میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"کچھ تو Social Contacts "سماجی روابط" ہونا ہی چاہیں۔ بغیر اس کے ذہنی نشو ونما کی رفتار بھی مدھم ہوکے رہ جاتی ہے اور بعض وقت تو بالکل ہی Full Stop کی نوبت آجاتی ہے۔"(2)

جاں نثار چاہتے ہیں کہ عورتیں صرف خود سے ہی باخبر نہ ہوں بلکہ اپنے اردگرد کی دنیا سے بھی باخبر رہیں۔ معاشرتی حالات اور مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔ معقول اور باذوق افراد سے میل ملاقات رکھیں۔ انسان کا جینے کا تصوّر محدود نہیں ہونا چاہیے۔ اسے اپنی ذات سے باہر نکل کر دوسروں کے لیے بھی سوچنا چاہیے: "آؤ اپنے انفرادی غم کو بھول کر دنیا کے غم کو اپنالو اس طرح کہ تم میں انقلاب پسندی جاگ اٹھے۔"(3)

یہ انقلابی سوچ انسان میں جینے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔ اپنے غم کو بھول کر جب انسان دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے تو اس کے غم مسرّتوں سے ہمکنار ہوجاتے ہیں، اشک مسکراہٹوں میں بدل جاتے ہیں اور کائنات جگمگا اُٹھتی ہے۔ جاں نثار 23 اگست 1954ء کے خط میں خدیجہ سے ہم کلام ہیں:

"انفرادی غم بھول کر دنیا کے غم کو اپنالو، تم میں جدوجہد کا حوصلہ جاگ اٹھے گا۔ تمہارا

ایک راستہ ہو گا، تمہارے کروڑوں ساتھی ہوں گے، تمہاری ایک منزل ہو گی۔ پھر تم
اس طرح تنہا اور بے سہارا محسوس نہ کرو گی اور زندگی تمہیں آج کی طرح بے مصرف
اور بے مقصد نظر نہ آئے گی۔"(4)

جاں نثار کی یہ ترقی پسندانہ، انقلابی سوچ ان کے تانیثی شعور کی غماز ہے۔ وہ عورت کو محدود چار دیواری کی گھٹن سے آزاد کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورت، سماج کی جدوجہد سے بھرپور اور حوصلہ مند فضا میں سانس لے، تمام تہذیبی اور ادبی سرگرمیوں میں حصّہ لے، سماج کی ترقی میں مرد کی برابر کی شریک ہو۔ وہ اپنی ذات کے دکھوں میں مقید نہ رہے۔ اس کا دل مضبوط ہو، حوصلے بلند ہوں، ارادے مصمّم ہوں، اس کی نظریں آفاق کی بلندیوں پر ہوں لیکن محض آزادی کے نام پر عورت سماجی مرتبہ اور عزت حاصل نہیں کر سکتی اس کے لیے اس کا تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔

جاں نثار تعلیمِ نسواں کے زبردست حامی تھے۔ ان کے خطوط کئی مقامات پر عورتوں کی تعلیم کے بارے میں ان کے نظریات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ صرف یہی نہیں ان کی زندگی بھی ان کے خیالات کی عملی تفسیر ہے۔ وہ نہ صرف اپنی ذات سے وابستہ خواتین بلکہ اپنے سماج میں تعلیمِ نسواں کو عام کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ صفیہ اختر کے ساتھ ان کا شادی کرنا علم کی فرزانگی کا ثبوت ہے۔ خدیجہ کی تعلیمی ترقی اور ان میں ادبی شعور پیدا کرنے کے لیے جاں نثار کی کوششیں قابلِ تعریف ہیں کہ ایک کوتاہ قلم شخص جس کے لیے چند سطور لکھنا محال تھا اور جو اپنی نظمیں اکثر فاطمہ زبیر اور صفیہ سے لکھواتے تھے وہ خدیجہ کے ادبی و تنقیدی شعور کی جلا کے لیے انہیں ناول، افسانہ اور شاعری پر تنقیدات سے بھرپور طویل خطوط لکھتے رہے اور مزید تعلیم کے حصول کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے: "اپنی پڑھائی کو اپنا اوّلین مقصد رکھو، اس کے لیے اگر کچھ دنوں تمہیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں تو غم نہ کرو۔"(5)

تعلیم سے دوری عورت کے سماجی مرتبے میں زوال کا سبب بنتی ہے۔ غیر تعلیم یافتہ عورت معاشی لحاظ سے مکمل طور پر مرد کی دست نگر رہتی ہے اور مرد اس سے ہر قسم کا سلوک روا رکھنا اپنا حق سمجھتا ہے اور نہ صرف اپنے فرائض سے چشم پوشی کرتا ہے بلکہ عورت کا استحصال کرتا ہے اور عورت معاشی محتاجی کے سبب مرد کی ہر قسم کی بالادستی کو قبول کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور اس کے ظلم اور بربریت کو صبر کے ساتھ سہتی ہے۔ یہ تعلیم ہی ہے جو عورت کو اتنی قوت عطا کرتی ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کر سکے۔ بقول جاں نثار اختر:

"میں تعلیم کو دنیا کے ہر مسئلہ کا حل تو نہیں سمجھتا، پھر بھی اتنا ضرور ہے کہ ہمیں اپنے
پیروں پر کھڑے ہونے میں مدد دیتی ہے، عورت جو صدیوں اقتصادی طور پر مرد کی
دست نگر رہی ہے اس نے اس مجبوری کی زنجیر کو اس دور میں توڑا ہے اور معاشی محتاجی
سے چھٹکارا پا کر مرد کے دوش بدوش کھڑا کر دیا ہے اور اپنے اس عملی اقدام سے اس نے
اپنی نسوانیت کو بلند کیا ہے، وہ شخصیت اور وہ وقار حاصل کیا ہے جس سے وہ ایک مدت
سے محروم تھی۔"(6)

تعلیم فقط حقوقِ نسواں سے آگہی کا نام نہیں اور نہ ہی مرد کی معاشی و سماجی بالادستی سے نجات حاصل کرنے کی مسّرت ہے بلکہ تعلیم اپنے فرائض کو پہچاننے اور ان کی بجا آوری میں احسن و تقویم کا نام بھی ہے اور جاں نثار کا تانیثی شعور اس کا بھی داعی ہے:

"تعلیم تو اصل میں ہمیں اپنے فرائض سے آگاہ کرتی ہے اور ایک حد تک ان کے پورا

کرنے کی اہلیت بھی ہم میں پیدا کرتی ہے۔ وہ فرائض سماجی بھی ہیں اخلاقی بھی ہیں اور سیاسی بھی۔ ہم ان میں سے کسی کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔"(7)

تعلیم نے عورت کو زندگی کے اخلاقی، سیاسی اور سماجی نقطہ نظر کو سمجھنے کا شعور دیا ہے۔ آج کی عورت سماج میں اپنی اہمیت کو جان گئی ہے اور سماج میں اپنی شخصیت اور زندگی کی تعمیر کے لیے سماج کے کردار سے بھی واقف ہے۔ وہ اپنی شخصیت کے اظہار اور اپنے مقاصد اور عزائم کی تکمیل پر قادر ہے۔ اب وہ مرد کی زیرِ دست نہیں اور نہ ہی اپنی محرومیوں پر ماتم کناں ہے بلکہ وہ اپنی تعلیم و شعور، کردار و گفتار اور عزم و استقلال سے مرد اور مردانہ سماج کو بدلنے کی طاقت رکھتی ہے۔ وہ مرد کی بے وفائی پر آنسو نہیں بہاتی، اپنے مسائل پر دل شکستہ نہیں ہوتی۔ وہ جہدِ مسلسل سے ایک نئی دنیا تعمیر کرنے کی سکت رکھتی ہے۔ جاں نثار نئی عورت میں ایسے ہی اوصاف دیکھنے کے متمنی ہیں اور چاہتے ہیں کہ زندگی کی کٹھنائیوں کا مقابلہ جرات و بہادری سے کیا جائے۔ ان کی عزیز بیوی صفیہ ان تمام اوصاف سے متصف تھیں اور وہ ان کی ان خصوصیات کے ہمیشہ معترف رہے اور چاہتے رہے کہ خدیجہ میں بھی یہ تمام صفات پیدا ہو جائیں:

"تم اپنے کو کسی حال میں شکستہ مت ہونے دو، انسان کو ہر حال میں پر امید اور باحوصلہ ہی رہنا چاہیے۔ زندگی کو اگر کوئی اعلیٰ مقصد دے دیا جائے تو زندگی ہزاروں دقتوں اور پریشانیوں کے باوجود عزیز اور اہم نظر آنے لگتی ہے۔"(8)

جاں نثار کا تانیثی شعور زندگی سے گریز، فرار اور حیات کش فلسفوں کا حامل نہیں۔ وہ مشعلِ حیات کو حوادث کی طغیانیوں میں بھی جلائے رکھنے کا عزمِ جواں رکھتے ہیں۔ مایوسی اور قنوطیت کو وہ اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیتے۔ اگر کسی وقتی جذبے کے تحت وہ تقاضائے بشری کے ہاتھوں آہ کرتے بھی ہیں تو اگلے ہی لمحے ایک نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ شاہراہِ حیات پر رواں دواں نظر آتے ہیں اور وہ دوسروں کو بھی ہمیشہ ایک روشن مستقبل کا پیغام دیتے ہیں۔ ان کی تحریر اسی جواں مردی، شادکامی اور مسّرت کا مژدہ جاں فزا ہے۔ جاں نثار مخالفت اور مزاحمت سے گھبرا کر اپنے ارادوں اور مقاصد کو ترک کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ ہر طرح کے مخالف حالات میں ثابت قدم رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اپنی اچھی یا بری رائے کا اظہار کرنا ہر ایک کا ذاتی حق سمجھتے ہیں لیکن دوسروں کی تنقید کے خوف سے مقصد کو ترک کرنا بزدلی سمجھتے ہیں۔ وہ خود بھی دوسروں کو اپنا ہم خیال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور عورت میں بھی یہ وصف دیکھنے کے متمنی ہیں۔ اپنے 17 جون 1955ء کے تحریر کردہ خط میں خدیجہ کو لکھتے ہیں:

"دنیا کا اختلاف محض اس وقت ہوا کرتا ہے جب تک ہمیں جو بات کرنی ہو کر نہ گزریں، پھر دنیا کی بھی وہی رائے ہو جایا کرتی ہے جو ہماری ہوتی ہے۔"(9)

جاں نثار کے "خاموش آواز" کے خطوط ہی نہیں بلکہ ان کی شاعری میں بھی کچھ کر گزرنے کا جذبہ، عزم و ہمت اور وقت کی پکار کی گونج شامل ہے۔ ان کی نظم "جذبہ بیدار" میں ان کا یہ جذبہ کیسے بیدار ہوتا ہے ملاحظہ کیجیے:

"میری گردِ راہ ہوں گے ماہ و انجم ایک دن
آسماں تا آسماں عزمِ سفر رکھتا ہوں میں
زندگی کیا ہے مسلسل شوق، پیہم اضطراب
ہر قدم پہلے قدم سے تیز تر رکھتا ہوں میں"(10)

جاں نثار قدیم روایتی ہندوستانی عورت کے روپ اور کردار کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں سمجھتے۔سیتا، پاروتی، رادھا، ساوتری وغیرہ کی اعلیٰ اقدار کو وہ قابلِ تعریف تو خیال کرتے ہیں مگر قدیم ہندوستانی تہذیب کے عورت کے بارے میں نظریات میں انہیں ایسی خامیاں اور سقم نظر آتے ہیں جنہیں آج کے دور میں قبول نہیں کیا جاسکتا۔وہ عورت کے لیے اپنے شوہر کی اندھی پرستش اور اندھی فرماں برداری کے قائل نہیں جس میں اسے ہر حال میں شوہر کے احکامات کی تعمیل کرنی پڑتی تھی چاہے شوہر کی محبت حاصل ہو یا نہ ہو۔وہ ایسی پتی بھگتی کے بھی قائل نہیں ہیں جو عورت کو بن باس لینے، آگ میں کودنے اور زمین میں سماجانے پر مجبور کر دیتی ہے۔وہ اس نئی عورت کی حمایت کرتے ہیں جو ایسا موقع آنے پر ان قدیم اور فرسودہ روایات کی تعمیل نہیں کرتی بلکہ ایسے ظلم اور زیادتی کے خلاف آوازِ احتجاج بلند کرتی ہے اور بغاوت پر آمادہ نظر آتی ہے۔جاں نثار 3 ستمبر 1954ء کے خط بنام خدیجہ میں رقم طراز ہیں:

> "آج کی سیتا نہ "اگنی پریکشا" کے لیے تیار ہے اور نہ زمین میں سماجانے کی دعا کرتی ہے۔وہ ایسے شوہر اور ایسے شوہر کی رعیت سے (جس کا آج کوئی سوال نہیں) جو اس کے پاکیزہ کردار کو داغدار سمجھتے ہوں نفرت کرنا جان گئی ہے۔"(11)

جاں نثار اس نئی ہندوستانی عورت کے معترف ہیں جو اپنے حقوق کے حصول کے لیے آواز اٹھانے کی جرات رکھتی ہے، جو اگر اپنے شوہر سے پیار کرتی ہے، اس کی وفا کا دم بھرتی ہے تو جواباً وہ شوہر سے بھی محبت اور وفا کی طلب گار ہے اور اگر اسے مثبت جواب نہ ملے تو وہ ایسے تعلق کو توڑنے کی جرات رکھتی ہے جو برابری کی سطح پر حقوق نہ دے سکے۔جاں نثار مرد وزن کے مساوی حقوق کے علم بردار ہیں خاندانی سطح پر بھی اور سماجی سطح پر بھی۔ان کے نزدیک میاں بیوی کا رشتہ دوستی پر مبنی ہونا چاہیے اور اس میں وہ کسی چھوٹائی بڑائی کے قائل نہیں اور نہ ایسے روایتی رشتے کے قائل ہیں جس میں مرد کی بالادستی قائم رہتی ہے اور عورت مرد کے زیر نگیں رہ کر تمام عمر گزار دیتی ہے۔ان کے نزدیک اس خوب صورت رشتے کی بنیاد باہمی دوستی، رفاقت، محبت، خلوص اور ہم آہنگی پر ہونی چاہیے، ذہنی رفاقت اور ہم آہنگی ایک دن کی پیداوار نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے دونوں فریقین کو جدوجہد کرنا پڑتی ہے، زندگی کی حقیقتوں کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی جسمانی، ذہنی اور جذباتی ضرورتوں کو سمجھنا پڑتا ہے اور ایک عرصے بعد ایسا خوب صورت رشتہ بنتا ہے جو ذہنی رفاقت و ہم آہنگی میں لازوال ہوتا ہے۔بقول جاں نثار اختر:

> "اگر ہم میں ایک دوسرے کے لیے بنیادی پسندیدگی ہوتی ہے تو ایک مدت کے ساتھ سے باہمی جذباتی ردو قبول کے ذریعہ ہم ایک خوشگوار سمجھوتہ اپنے درمیان قائم کر لیتے ہیں۔یہی "من توشدم تو من شدی" کا راز ہے۔"(12)

جاں نثار اختر اور صفیہ میں ایسی ہی لازوال ذہنی رفاقت اور ہم آہنگی سے بھرپور مثالی رشتہ قائم تھا جو دور رہنے کے باوجود انتہائی قوت اور مضبوطی کا حامل تھا۔ایسی ہم آہنگی کے سہارے دونوں نے فرقت کے ماہ و سال تمام مشکلات اور کٹھنائیوں کے باوجود عزم و استقلال اور جواں مردی سے کاٹ لیے۔ایک دوسرے کو بھرپور سہارا دیا اور خطوط کے ذریعے اپنے درمیان حائل فاصلوں کو طے کرنے کی کوشش کرتے رہے۔صفیہ اس ضمن میں کن الفاظ میں اپنی کیفیت بیان کرتی ہیں، ملاحظہ کیجیے:

> "مشیت نے کتنا زبردست فاصلہ ہم دونوں کے درمیان حائل کر دیا ہے مگر دل سے تو ہم اس درجہ نزدیک ہیں جیسے کبھی جدا ہی نہ ہوئے تھے۔۔۔تمھارا کوئی لمحہ میری شرکت سے خالی نہیں۔"(13)

تنہا صفیہ ہی اس بے مثال ذہنی رفاقت کی داعی نہیں ہیں بلکہ جاں نثار بھی اپنے اور صفیہ کے تعلقات کے بارے میں ایسے ہی تاثرات کا اظہار کرتے ہیں۔ انہوں نے "خاموش آواز" میں کئی جگہوں پر اپنے اور صفیہ کے مابین ایسی ہی خوب صورت ذہنی رفاقت کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ایسی رفاقت کو ازدواجی زندگی کی بنیادی شرط سمجھتے ہیں جو جسمانی دوری اور جدائی کے صدموں کے باوجود ہمیشہ قائم رہتی ہے:

"نو سال کے عرصے میں دو سال ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ گزارے پھر بھی کوئی
کہہ نہیں سکتا کہ ہماری ذہنی رفاقت کا رشتہ کبھی اور کسی حال میں منقطع ہوا ہو۔"(14)

میاں بیوی کے رشتے میں خوشگوار رفاقت و الفت کے لیے جاں نثار ایک دوسرے کی خواہشات کے احترام کو بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ تعلقات خرابی کی طرف تب مائل ہوتے ہیں جب دونوں فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتا ہے یا پھر معاملات کو ایک دوسرے سے چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر شوہر کو بیوی کے بارے میں تمام امور کا علم رکھنے کا اختیار حاصل ہے تو عورت کو بھی اختیار حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کے بارے میں تمام معاملات سے آگاہ ہو۔ جاں نثار کے خطوط تانیثیت کے اس دل آویز پہلو کا کئی موقعوں پر اظہار کرتے ہیں۔ وہ اپنے تمام معاملات کے بارے میں صداقت اور ایمان داری سے صفیہ اور خدیجہ کو آگاہ کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے کسی مثبت یا منفی پہلو کو مخفی رکھنے کے حق میں نہیں ہیں۔ 6 فروری 1954ء کے تحریر کردہ خط بنام خدیجہ میں لکھتے ہیں:

"تم اپنے میں اعتماد کی یہ قوت ضرور پیدا کرو کہ تمھیں میرے بارے میں چھوٹی سے
چھوٹی بات جاننے کا حق ہے، ورنہ ہم لوگوں میں ذہنی دوری پیدا ہونے لگے گی۔"(15)

جاں نثار کے تانیثی شعور کا ایک اور دل آویز پہلو یہ بھی ہے کہ وہ عظمتِ نسواں کو تسلیم کرنے میں کسی قسم کی پس و پیش سے کام نہیں لیتے بلکہ واشگاف الفاظ میں عورت کے سیرت و کردار کی بلندی کا اعتراف کرتے ہیں۔ فقط یہی نہیں، وہ عورت کی تقلید کو بھی اپنے لیے قابلِ فخر سمجھتے ہیں اور اسے رہبر و رہنما کا درجہ دیتے ہیں۔ ایک پدر شاہی معاشرے میں جہاں عورت کو ہر لحاظ سے کمتر خیال کیا جاتا ہو، اسے باندی اور کنیز کا درجہ دیا جاتا ہو اور ہر پل اس کا استحصال کیا جاتا ہو، وہاں ایک مرد کا اپنی زوجہ کو مینارہ عظمت پر بٹھانا اور فخر سے اس کی گوناگوں صلاحیتوں کا اعتراف کرنا بذاتِ خود بڑائی کی بات ہے۔ جاں نثار، خدیجہ (دوسری بیوی) کے روبرو صفیہ (پہلی بیوی) کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"تم یقین کرو میں نے صفیہ سے بہت کچھ جینے کا سلیقہ سیکھا ہے اور صحیح معنوں میں وہ
میری رہنما او ور رہبر رہی ہے۔ مجھے اس کا بھی اعتراف ہے کہ اگر صفیہ مجھے نہ مل گئی
ہوتی تو میرے بھٹک جانے کے پورے امکانات پیدا ہو ہی گئے تھے۔"(16)

متذکرہ بالا اقتباس کے الفاظ سے جاں نثار کا بحیثیت شوہر جو تصوّر ابھرتا ہے وہ قطعاً ایک روایتی شوہر کا نہیں جو اپنی زوجہ پر ایسی پابندیاں لگاتا ہو جو اس کی شخصی نشوونما میں باعثِ رکاوٹ ہو۔ بقول سلمیٰ شان الحق: "جاں نثار نے صفیہ پر اتنی قدغن رکھی کہ اس کی صلاحیتیں کچلی تو کیا جاتیں رائیگاں گئیں۔" (17)

ہمیں صفیہ اور جاں نثار کے خطوط میں کئی ایسے فقرے مل جاتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صفیہ کی صلاحیتوں نے جاں نثار کی صحبت اور الفت میں ایک نئی جلا پائی تھی۔ صفیہ کا قلم خود بھی اس بات کا اقرار کرتا ہے۔ دوسری طرف جاں نثار کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ صفیہ کی شخصیت ان کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئی اور انہوں نے زندگی کے پیچ و خم میں جاں نثار کو سنبھالا دیا۔ بیوی کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا اور ان کی

روشنی میں اپنی زندگی کے اہم فیصلے کرنا کسی روایتی ہندوستانی شوہر کا کام نہیں ہو سکتا۔ ایسا صرف وہی مرد کر سکتا ہے جو وسعتِ دل و نظر کا حامل ہو، جو نئی سوچ رکھتا ہو اور وقت کے تقاضوں پر گہری نظر رکھتا ہو۔

جاں نثار ایک ایسے سماج کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں جس میں عورت کی علمی، ادبی، سیاسی اور معاشی صلاحیتوں کو پنپنے کا موقع ملے۔ اس کے لیے وہ عورتوں کے سماجی میل جول کی حمایت کرتے ہیں کیوں کہ اس سے عورت کا ذہن وسیع ہوتا ہے، اس کی سوچ میں سلجھاؤ پیدا ہوتا ہے اور قدیم فرسودہ روایات کی جگہ نئی اعلیٰ اقدار کی قبولیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ انھوں نے صفیہ پر کبھی اعلیٰ ادبی اور سماجی تقریبات میں شمولیت پر قطعاً اعتراض نہ کیا بل کہ وہ ایسی تقریبات میں شمولیت کے لیے خدیجہ کی بھی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ 16 ستمبر 1954ء کے تحریر کردہ خط میں جاں نثار رقم طراز ہیں:

> "ہاں تم ظ۔ انصاری کی تقریر سننے نہ گئیں، یہ بات تم نے بالکل اچھی نہیں کی، بہر کیف تم اس سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کرتیں، یوں بھی تو سوچو کہ تمہارے بھوپال میں کبھی کبھار تو کچھ سلجھے ہوئے ترقی پسندانہ خیالات رکھنے والوں کا گزر ہوتا ہے، ان مواقع سے فائدہ نہ اٹھانا بہت زیادتی ہے۔"[18]

سلمیٰ شان الحق حقی (صفیہ کی دوست) اس ضمن میں متضاد رائے رکھتی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جاں نثار صفیہ کے ساتھ ساتھ خدیجہ پر بھی بے جا پابندیاں عائد کرتے تھے۔ شادی سے قبل وہ خدیجہ کی ادبی مجالس میں شرکت کے لیے حوصلہ افزائی کرتے رہے مگر شادی کے بعد ان پر اپنے دوستوں سے ملنے پر بھی پابند عائد کر دی۔ سلمیٰ جاں نثار کے ایک خط کے اقتباس کا حوالہ دیتی ہیں:

> "تم میرے ملنے والوں سے میری غیر موجودگی میں نہیں ملو گی نہ خود جاؤ گی نہ ان کو بلاؤ گی۔ یہ لوگ شراب پی کر دوسروں کی بیویوں سے لطف لیتے ہیں۔"[19]

مذکورہ بالا دونوں بیانات بظاہر ایک دوسرے کی ضد معلوم ہوتے ہیں اور سلمیٰ کی رائے کو معتبر ٹھہراتے ہیں مگر جب متعلقہ خطوط کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جاں نثار کے ان دونوں بیانات کا پس منظر یکسر مختلف ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ہم ان دونوں بیانات کی نوعیت پر ہی غور کر لیں تو سلمیٰ کی رائے انتہائی بچگانہ معلوم ہونے لگتی ہے کہ انھیں ایک ادبی محفل میں شریک ہونے اور شوہر کی غیر موجودگی میں اس کے شرابی دوستوں سے تنہائی میں ملنے میں کوئی فرق ہی محسوس نہیں ہو رہا۔ بہر حال ایماندارانہ تجزیہ تو یہ کہنے کا تقاضا کرتا ہے کہ جاں نثار کا بیانِ اوّل انھیں ایک ایسے سماج کا معمار ظاہر کرتا ہے جہاں مرد وزن کو اپنے تعلیمی، ادبی، سماجی اور معاشی شعور کی نمو کے مساوی مواقع میّسر ہونے چاہیں اور ان کا بیانِ دوّم انھیں ایک ایسے مرد کے روپ میں پیش کرتا ہے جو نئے تصّورات کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے کلچر سے بھی جڑا ہوا ہے۔ جو نئی تہذیب کی نئی اقدار کو قبول تو کرتا ہے مگر اپنی قدیم تہذیب کی اعلیٰ روایات کو بھی رد نہیں کرتا۔ وہ بزرگوں کی شکستہ حویلی پر نئی عمارت تو تعمیر کرتا ہے مگر اس سال خوردہ حویلی کے بام و در میں جڑے جواہرات چننا نہیں بھولتا۔ وہ مغرب کے جدید نظریات کے سحر میں کھو کر اپنی مشرقیت کا خون نہیں کرتا: "مجھے سچی بات یہ ہے کہ عورت کی مشرقیت بہت عزیز ہے اسے میں فنا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"[20]

جاں نثار سمجھتے ہیں کہ آج کی عورت کی یہی مشرقیت اسے نیکی اور اخلاق کے راستے پر چلاتی ہے۔ وہ اپنی نیکی اور اخلاق سے نہ صرف مرد بلکہ پورے سماج کو بدلنے کی طاقت رکھتی ہے۔ روایتی عورت کی طرح وہ خود کو حالات کے سپرد نہیں کرتی۔ اپنی محرومیوں پر بے بسی کے آنسو نہیں

بہاتی بلکہ وہ حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ رکھتی ہے، وہ ہر جہد میں مرد کا بازو بن جاتی ہے اور ہر راستے پر اس کے قدم سے قدم ملا کر چلتی ہے اور جہدِ مسلسل کا درس بن جاتی ہے۔ اس ضمن میں سالک الہاشمی رقم طراز ہیں:

"اختر زندگی کے تقاضوں سے عورت کو ناآشنا نہیں رہنے دیتا، وہ چاہتا ہے کہ عورت بھی مرد کے دوش بدوش کام کرے اور ایک طرف لذت شبستاں سے ہم کنار ہو تو دوسری طرف اسے اس بات کا بھی علم رہے کہ ملک کن حالات سے دوچار ہے۔ قوم کس منزل سے گزر رہی ہے۔ زندگی کے تقاضے کیا ہیں۔"(21)

جاں نثار کا تانیثی شعور مرد وزن کے سماجی مقام و مرتبے کو جدا جدا نہیں دیکھتا بلکہ ایک دوسرے کا مرہونِ منت خیال کرتا ہے۔ عورت کو مرد کے طفیل معاشرے میں عزت و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا سماجی رتبہ جیسا ہو گا اس کے مطابق عورت کو معاشرے میں بلند مقام حاصل ہو گا۔ تاہم اس مقام و مرتبے کو قائم رکھنا عورت کے دائرہ اختیار میں ہے وہ چاہے تو اپنے اخلاق و کردار سے اسے نہ صرف قائم و دائم رکھ سکتی ہے بلکہ اپنی ذہانت و علم سے اسے بڑھاوا بھی دے سکتی ہے۔ جاں نثار سے وابستگی کی بدولت خدیجہ کی سماجی عزت میں جو اضافہ ہوا، جب وہ اس کے لیے شوہر کی ممنون ہوتی ہیں تو جاں نثار کیا جواب دیتے ہیں، ملاحظہ کیجیے:

"میری وابستگی تمھیں جو کچھ سماجی عزت دے سکی ہے اس کی حفاظت اب تمہارا کام ہے اور غور کرو تو صرف حفاظت ہی تمہارا فرض نہیں بلکہ تم اس میں اضافہ کر سکتی ہو، اپنے عمل اور سوجھ بوجھ سے۔"(22)

صفیہ کی وفات کے بعد جاں نثار کا خدیجہ ہارون سے شادی کرنا اور اس کے بچے شاہد کو اپنا نام دینا اور پرورش کی تمام ذمہ داری بطریقِ احسن نبھانا ان کے نظریات کے کئی پہلوؤں کو واضح کرتا ہے۔ خدیجہ جاں نثار اور ان کی شاعری کی پرستار تھیں۔ دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا جو بعد ازاں محبت اور پھر دائمی رفاقت میں ڈھل گیا۔ اس پر ادبی حلقوں میں شور بلند ہوا اور ان کی ترقی پسندی اور انقلاب پسندی پر خوب خوب چوٹیں کی گئیں اور خبر یہ گرم ہوئی کہ جاں نثار اختر نے ایک شادی شدہ خاتون کو ورغلا کر سابقہ شوہر سے طلاق دلوا کر شادی کر لی۔ بقول سلمیٰ شان الحق حقی:

"وہ شادی شدہ خوش شکل لڑکی ہے اور ایک بچے کی ماں، مگر ان کی پرستار بھی۔ انہوں نے بڑے رنگین القابات کے ساتھ اسے بے شمار خط لکھے ہیں اور بہت مفصّل۔ ان کو اس بات سے دکھ ہوتا ہے کہ اس جیسی مخلص اور پسندیدہ خاتون کو اپنے شوہر سے وہ ذہنی رفاقت نہ مل سکی جو ازدواجی زندگی کی بنیادی شرط ہے۔ وہ اسے جدوجہد اور قدم میں مضبوطی اور استواری پیدا کرنے کا حوصلہ دلاتے ہیں۔۔۔ وہ اسے بہت سی معلومات اور فلسفوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ ماضی کی پتی بھگتی میں فرق ہے۔۔۔ بہر حال وہ اس کی ہمت بندھانے پر کمربستہ رہتے ہیں اور بڑی تگ و دو کے بعد اس کو اپنے شوہر سے گلو خلاصی حاصل کرا لینے کے بعد اپنی کامیابی پر ناز کرتے اور اپنی روح کے نہاں خانے میں وہ امنگ اور جوش پاتے ہیں کہ یہ تک کہہ جاتے ہیں کہ "میں گیت سہانے گاؤں تو ساتھ کھڑی لہرائے گی۔"(23)

سلمٰی صاحبہ کا مذکورہ بالا بیان پڑھ کر پہلا تاثر یہی ابھرتا ہے کہ جاں نثار سے دانستہ اپنی ایک پرستار کی خزاں رسیدہ زندگی سے اپنے اجڑے چمن کو گل وگلزار بنانے کی خطا سرزد ہوئی ہے اور انہوں نے اور ان کے پہلے شوہر شمس الطیف کی ازدواجی ناآسودگی اور ذہنی بُعد کو اپنی محروم اور ناآسودہ زندگی میں شادمانی لانے کے لیے استعمال کیا ہے۔ان کا یہ فعل ان کے ترقی پسند نظریات اور تانیثی شعور پر ضربِ کاری معلوم ہوتا ہے۔تاہم ان کے "خاموش آواز" کے خطوط بنام خدیجہ کا اگر گہرائی اور غیر جانبداری سے مطالعہ کیا جائے تو ایک دوسری صورتِ حال سامنے آتی ہے۔

جاں نثار کی خدیجہ اور ان کے بھائی بہنوں سے پہلی ملاقات جہاں قدر چغتائی (خدیجہ کے بہنوئی اور فاطمہ زبیر کے بھائی) کی وساطت سے بطور شاعر ان کے گھر پر ہوئی اور خط وکتابت کا آغاز عذرا (خدیجہ کی چھوٹی بہن) کے خط سے ہوا جس میں خدیجہ نے بھی اپنی طرف سے چند سطور تحریر کی تھیں: "عذرا کے خط میں تمہاری چند سطریں پڑھ کر تم سے بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہنے لگا۔"(24)

اپنی اپنی محرومیوں کی داستان سے شروع ہونے والی ان باتوں نے بعد ازاں دوستی کا روپ دھار لیا۔خدیجہ کو حالِ دل سنانے کے لیے ایک پرخلوص دوست میّسر آ گیا اور جاں نثار کو اپنی تنہائیاں آباد کرنے کے لیے ذہنی رفیق مل گیا۔11 جولائی 1954ء کے تحریر کردہ ایک خط کا اقتباس دیکھیے:

> "تم نے اپنے پہلے خط میں لکھا تھا کہ تم برسوں خوب روئیں۔اپنی زندگانی کے خیال سے
> ۔تو میری دوست! زندگی کی ناکامیوں پر غصہ کرنا سیکھو اور جب تم ان پر غصہ کرنا سیکھ جاؤ
> گی تو تم جدوجہد بھی سیکھ جاؤ گی اور تمہارے قدم میں مضبوطی اور استواری پیدا ہو جائے
> گی اور پھر ایک نہ ایک دن تم اپنی زندگی کو اپنے حسبِ منشاء کامیاب بنا سکو گی۔"(25)

خدیجہ کو جاں نثار کے خط کا بے چینی سے انتظار رہنے لگا اور جاں نثار انہیں وقت کے تقاضوں اور ماحول کی مصلحتوں کے تحت اس وقتی بہلاوے کا سلسلہ ختم کرنے کے لیے لکھا: "اس تھوڑی دیر کے بہلاوے کے لیے تم اپنے گرد کسی ناخوشگوار ماحول کو پیدا کرو میں اس کا قائل نہیں۔"(26)

خدیجہ کے شوہر شمس اللطیف قیامِ پاکستان کے بعد کراچی جا چکے تھے اور مالی مسائل کے سبب خدیجہ کو پاکستان نہیں بلانا چاہتے تھے اور نہ ہی بھوپال آ کر رہنے کو تیار تھے۔جاں نثار دوست کی ازدواجی زندگی کو شادمان دیکھنا چاہتے تھے اور خدیجہ کے مسائل کے حل کے لیے فکر مند تھے:

> "اگر تمہارے کراچی نہ جا سکنے کی وجہ محض لطیف صاحب کو اب تک ملازمت کا نہ مل سکنا
> ہے تو میں اپنے بہت سے دوستوں کو ان کے لیے لکھ سکتا ہوں جو اس پوزیشن میں ہیں کہ
> آسانی سے اس مسئلے کے حل کرنے میں مدد کر سکیں۔"(27)

لیکن خدیجہ کے من مندر میں تو کسی دوسرے دیوتا کی مورت سج گئی تھی۔جس کی وہ دل و جاں سے پوجا کرنے کی متمنی تھیں: "جی چاہتا ہے پوجا سی کرنے لگوں، میری پیشانی جھکی سی جا رہی ہے۔"(28)

جاں نثار کا سماجی شعور کھٹکا کہ کہیں خدیجہ کا حد سے سوا خلوص اور شدید عقیدت ان کے دل و دماغ میں فرض اور جذبے کی کشمکش نہ پیدا کر دے۔وہ آپس کے اس ذہنی لگاؤ کو اس سمت بڑھنے سے روکنا چاہتے تھے لہٰذا خدیجہ کو لکھتے ہیں: "میں دوستی کے پردے میں تم سے دشمنی نہیں کرنا چاہتا۔"
(29)

جاں نثار خود بھی سنبھل کر چلتے ہیں اور خدیجہ کو بھی اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں اور باور کراتے ہیں کہ وہ کسی دوسرے کی بیوی ہے اور ان کا سماجی شعور کسی غیر سماجی حرکت کی اجازت نہیں دیتا۔خدیجہ جاں نثار کو لکھ چکی ہیں کہ ان کے اور ان کے شوہر کے درمیان کوئی ذہنی لگاؤ نہیں ہے۔پھر بھی وہ اس معاملے میں اپنی دوست کو کوئی مشورہ نہیں دیتے۔وہ ایک برا آدمی نہیں بننا چاہتے جو دو دلوں کو ایک دوسرے سے

جدا کر دے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس معاملے میں کسی کی رائے، مشورہ یا نصیحت درست رہنمائی نہیں کر سکتی۔ اس قسم کے فیصلے انسان کو خود ہی کرنے چاہیں: ”دل کے معاملات کا فیصلہ دل ہی سے ہوا کرتا ہے وہ موافقت میں ہو یا مخالفت میں۔“(30)

جاں نثار کا سماجی شعور خدیجہ کی چاہ کرنے پر قدغن ضرور لگاتا ہے۔ تاہم خدیجہ کے من مندر کا دیوتا اپنی پجارن کی پوجا سے خوش ہو کر اس کا دامن مرادوں سے بھر دینا چاہتا ہے لہٰذا جب خدیجہ جاں نثار کو لکھتی ہیں کہ میرے اندر ایک نئی عورت سانس لے رہی ہے اور میں اب یہاں اس طرح نہیں رہوں گی مگر پھر ہندوستانی پن پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتا ہے تو تب جاں نثار اس کی ہمت بندھاتے ہیں کہ کل کی سیتا اور آج کی سیتا میں فرق ہے، آج کی پتی بھگتی کل کی پتی بھگتی سے مختلف ہے۔ تاہم وہ خدیجہ سے کھل کر واضح الفاظ میں اپنی چاہت اور خواہش کا اظہار اس وقت تک نہیں کرتے جب تک خدیجہ اور شمس اللطیف کے باہمی معاملات رفع دفع نہیں ہو جاتے۔ اگرچہ خدیجہ جاں نثار کو اپنا فیصلہ سنا چکی ہیں: ”میں تو بس صرف زندگی بھر آپ کی پوجا کر سکتی ہوں۔“(31)

لطیف صاحب فروری 1955ء میں بھوپال تشریف لاتے ہیں۔ خدیجہ کے والد صاحب اور چچا دونوں کے درمیان تصفیہ کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جاں نثار بھی چاہتے ہیں کہ دونوں میں کوئی خوب صورت سمجھوتہ ہو جائے:

”تم اگر سمجھتی ہو کہ کوئی شریفانہ سمجھوتہ لطیف صاحب سے آج بھی ممکن ہے اور وہ سمجھوتہ قابلِ اعتماد بھی تمہاری نظر میں ہو، تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔“(32)

مگر لطیف صاحب کسی سمجھوتے پر راضی نہیں ہوتے اور بالآخر خدیجہ کے اہلِ خانہ قانونی چارہ جوئی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جاں نثار 17 مارچ 1955ء کے خط میں خدیجہ کو لکھتے ہیں کہ تم نے جو واقعات لکھے ہیں اور جو اقدام حسین چچا کی معرفت کیا گیا ہے اس ضمن میں اگر کسی موقع پر مزید قانونی مشورہ کی ضرورت ہو تو تم حسین چچا کو پنچوانی کا نام تجویز کر سکتی ہو۔ جب خدیجہ کے والد باقاعدہ طور پر مقدمہ دائر کر چکتے ہیں تو اس کے بعد جاں نثار واضح الفاظ میں خدیجہ سے کھل کر اپنی چاہت کا اظہار کرتے ہیں۔ 23 مئی 1955ء کے خط میں وہ خدیجہ کو لکھتے ہیں: ”تم میری دوستی اور میرے خلوص پر اعتماد پیدا کرو۔ ہم اپنی دوستی کو اپنے دلوں کی محبت اور اپنے دلوں کی محبت کو اپنی زندگی کی شرکت میں ڈھال لیں گے۔“(33)

اس سارے معاملے میں جاں نثار کہیں بھی غیر ترقی پسندانہ یا غیر تانیثی شعور کی ترجمانی کرتے معلوم نہیں ہوتے۔ انہوں نے بیسیوں غیر شادی شدہ اعلیٰ تعلیم یافتہ پرستاروں اور فلمی دنیا کے چمکتے ستاروں کو چھوڑ کر ایک معمولی تعلیم یافتہ اور ایک بچے کی ماں کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کیا جس کی ذہنی سطح اور ادبی شعور کسی طرح بھی جاں نثار کے مطابق نہیں تھا۔ خدیجہ کو خود بھی اس بات کا احساس تھا: ”میں کسی طرح بھی آپ کے قابل نہیں۔“(34)

تاہم وہ کبھی جاں نثار کے قابل بننے کے لیے جدوجہد بھی نہ کر سکیں۔ نہ انہوں نے اپنی تنگ نظری اور ذہنی گھٹن سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ خدیجہ کے ساتھ زندگی کی راہ پر کئی موڑ ایسے آئے کہ جب جاں نثار بیوی کی ناسمجھی کے باعث شدید ذہنی کوفت اور جھلاہٹ کا شکا ہوئے مگر ہر بار وہ انہیں معاف کرتے رہے۔ خدیجہ کبھی جاں نثار کی محبت پر اعتماد نہ کر سکیں اور ہمیشہ ان کے پیار کا جواب شک و شبہ سے دیتی رہیں: ”اگر تم اس طرح مجھ پر شک کرتی رہو گی تو تم مجھے ایک وقت کھو بھی سکتی ہو۔“(35)

جاں نثار اپنی فطری سادگی اور صداقت کے سبب ہمیشہ ہر بات میں انہیں شریک کرتے رہے اور سدا کوشش جاری رکھی کہ وہی ذہنی ہم آہنگی اور رفاقت خدیجہ کے ساتھ بھی قائم ہو جائے جو ان کے اور صفیہ کے درمیان تھی۔ وہ تمام عمر خدیجہ میں صفیہ کو تلاش کرتے رہے مگر صفیہ کی رفعتوں کو چھونا خدیجہ کے بس کی بات کہاں تھی۔ صفیہ نے جو کردار جاں نثار کی زندگی میں چراغاں کرنے کے لیے ادا کیا تھا وہی کردار جاں نثار

نے خدیجہ کی زندگی کو چمن زار بنانے میں ادا کیا۔ ذہنی بُعد کے باوجود انہوں نے ہمیشہ بیوی کے ساتھ دلی محبت اور پیار کا رشتہ بنائے رکھا۔ ہندوستانی معاشرے میں جہاں عورت سے سمجھوتہ کرنے اور ہر قیمت پر تعلقات بنائے رکھنے کی امید کی جاتی ہے وہاں ایک مرد تمام عمر ایسے کردار کا مظاہرہ کرے اور بدلے میں صرف عورت کی وفا کا طالب ہو تو کیا اسے تانیثیت نہ کہیے گا؟

> "تمہاری قدر اگر کوئی نہ کر سکا تو اب اسے بھول جاؤ، مجھے تمہاری قدر ہے، میں نے آج تک تمہیں اپنا خلوص اور اپنا پیار دیا ہے، آج جب میں تمہیں صرف اپنی محبت ہی نہیں اپنا نام، اپنا گھر اور اپنی عزت بھی سونپنے جا رہا ہوں تو اس اعتماد پر کہ تم اس کی صحیح محافظ ثابت ہو گی۔"(36)

جاں نثار ہمیں ایسی تانیثیت کے علمبردار نظر آتے ہیں جو فطرت کے شکم سے جنم لیتی ہے اور اپنی تہذیبی و ثقافتی اقدار کی آغوش میں پروان چڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کی نسوانیت میں ایک نئے پن کی لگن تو رکھتے ہیں مگر اس جدت کے جنون میں اس کی مشرقیت کا خون ہو تا نہیں دیکھ سکتے۔ وہ صرف عورت کی پرستش نما محبت کو ہی حاصلِ زیست نہیں سمجھتے بلکہ اس کے اس کے نرم و نازک ہاتھوں سے اپنے سینے پر نیکی کے ہتھیار بھی سجاتے ہیں اور اس کی جدوجہدِ حیات سے، جہدِ مسلسل کا درس بھی لیتے ہیں۔ جاں نثار فیمینزم کی جدید عمارت کو فطری اور ثقافتی بنیادوں پر استوار کرتے ہیں۔ ان کا یہ تصوّرِ تانیثیت اس نظریے کا پر تو ہے جس کی آواز "خاموش آواز" کے خطوط کو ورطۂ تحریر میں لانے کے دو دھائیوں بعد سنائی دیتی ہے۔ یوں جاں نثار اپنے منفرد تانیثی شعور کے ساتھ اپنے وقت سے کہیں آگے کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر کشور سلطان، جاں نثار اختر حیات اور فن، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، 1977، ص 192

2۔ جاں نثار اختر، مکتوب بنام خدیجہ اختر، محررہ، 11 جنوری 1955، مشمولہ: خاموش آواز، فرینڈز پبلشرز، کراچی، س ن، ص 98

3۔ ایضاً، محررہ، 23 اگست 1954، ص 55

4۔ ایضاً، ص 55-56

5۔ ایضاً، محررہ، 23 مارچ 1955، ص 116

6۔ ایضاً، محررہ، مئی 1954، ص 21

7۔ ایضاً، محررہ، 25 جون 1954، ص 25

8۔ ایضاً، محررہ، مئی 1954، ص 21

9۔ ایضاً، محررہ، 17 جون 1955، ص 142

10۔ جاں نثار اختر، "کلیاتِ جاں نثار اختر"، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 2003، ص 375

11۔ جاں نثار اختر، مکتوب بنام خدیجہ اختر، محررہ، 3 ستمبر 1954، مشمولہ: خاموش آواز، ص 65

12۔ ایضاً، محررہ، 9 اگست 1955، ص 155

13۔ صفیہ اختر، مکتوب بنام جاں نثار اختر، محررہ، 11 جون 1950 مشمولہ: زیرِ لب، نیا ادارہ، سرکلر روڈ، لاہور، 1960، ص 60

14۔جاں نثار اختر،مکتوب بنام خدیجہ اختر، محررہ مئی 1954، مشمولہ:خاموش آواز،ص 20-21

15۔ایضاً، محررہ،6فروری 1954،ص 203

16۔ایضاً، محررہ،23اگست 1954،ص 55

17۔ سلمٰی شان الحق،شہیدانِ وفا کا خون بہا کیا،اوکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی،2014،ص 69

18۔جاں نثار اختر،مکتوب بنام خدیجہ اختر، محررہ،6اکتوبر1954،مشمولہ:خاموش آواز،ص 73

19۔ سلمٰی شان الحق،شہیدانِ وفا۔۔۔،ص 73-74

20۔جاں نثار اختر،مکتوب بنام خدیجہ اختر، محررہ،17نومبر 1955،مشمولہ:خاموش آواز،ص 187

21۔سالک الہاشمی،ترقی پسند ادب اور جاں نثار اختر(مضمون)مشمولہ:ماہ نامہ افکار،بھوپال،نومبر 1947،ص 43

22۔جاں نثار اختر،مکتوب،بنام خدیجہ اختر، محررہ،15اگست 1955،مشمولہ:خاموش آواز،ص 337

23۔ سلمٰی شان الحق،شہیدانِ وفا۔۔۔،ص 71-72

24۔جاں نثار اختر،مکتوب بنام خدیجہ اختر، محررہ،17مئی 1954،مشمولہ:خاموش آواز،ص 19

25۔ایضاً، محررہ،11جولائی 1954،ص 35

26۔ایضاً، محررہ،14اگست 1954،ص 46

27۔ایضاً،ص 47

28۔ایضاً،ص 48

29۔ایضاً، محررہ،22اگست 1954،ص 51

30۔ایضاً، محررہ،24اگست 1954،ص 61

31۔ایضاً، محررہ،4دسمبر 1954،ص 91

32۔ایضاً، محررہ،5مارچ 1955،ص 112

33۔ایضاً، محررہ،23مئی 1955،ص 131

34۔ایضاً، محررہ،18اگست 1956،ص 267

35۔ایضاً، محررہ،22اکتوبر 1951،ص 360

36۔ایضاً،15اگست 1956،ص 265 https://e.jang.com.pk/detail/904835

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Dr Kishwer Sultan, "Jan Nisar Akhtar Hayat awr Fun", Naseem Book Depot, Lackhnow,1977, P 192
2. Jan Nisar Akhtar, "Khamosh Aawaz: Letter to Khadija Akhter, Jan. 11, 1955",Friends Publishers,PKarachi, P 98
3. Ibid, August 23, 1954, P 109
4. Ibid, P 55-56
5. Ibid, March 23, 1955, P 116
6. Ibid, May 1954, P 21

7. Ibid, June 25, 1954, P 25
8. Ibid, May 1954, P 21
9. Ibid, June 17, 1955, P 142
10. Jan Nisar Akhtar, "Kulyate Jan Nisar Akhtar",Alhamd Publications,Lahore, 2003, P 375
11. Jan Nisar Akhtar, "Khamosh Aawaz: Letter to Khadija Akhter, September 3, 1954, P 65
12. Ibid, August 9, 1955, P 155
13. Safia Akhter, "Zer-e-Lab: Letter to Jan Nisar Akhter, June 11, 1950",Nya Idara, Circular Road,Lahore, 1960, P 60
14. Jan Nisar Akhtar, "Khamosh Aawaz: Letter to Khadija Akhter, May 1954, P 20-21
15. Ibid, Feb 6, 1954, P 203
16. Ibid, August 23, 1954, P 55
17. Salma Shan-ul-Haq, "Shaheedane Wafa Ka Khoon Bha Kya", Oxford University Press, Karachi,2014, P 69
18. Jan Nisar Akhtar, "Khamosh Aawaz: Letter to Khadija Akhter, October 6, 1954, P 73
19. Salma Shan-ul-Haq, "Shaheedane Wafa Ka Khoon Bha Kya", P 73-74
20. Jan Nisar Akhtar, "Khamosh Aawaz: Letter to Khadija Akhter, November 17, 1955, P 187
21. Salik Alhashmi, "Taraqi Pasand Adab Awr Jan Nisar Akhter", In: "Afkar, Mahnama", India, Bhopal: November 1947, P 43
22. Jan Nisar Akhtar, "Khamosh Aawaz: Letter to Khadija Akhter", August 15, 1955, P 337
23. Salma Shan-ul-Haq, "Shaheedane Wafa Ka Khoon Bha Kya", P 71-72
24. Jan Nisar Akhtar, "Khamosh Aawaz: Letter to Khadija Akhter", May 17, 1954, P 19
25. Ibid, July 11, 1954, P 35
26. Ibid, August 14, 1954, P 46
27. Ibid, P 47
28. Ibid, P 48
29. Ibid, August 22, 1954, P 51
30. Ibid, August 24, 1954, P 61
31. Ibid, December 4, 1954, P 91
32. Ibid, March 5, 1955, P 112
33. Ibid, May 23, 1955, P 131
34. Ibid, August 18, 1956, P 267
35. Ibid, October 22, 1951, P 360
36. Ibid, August 15, 1956, P 265